سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات

از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی ایم۔اے

سلطان محمد بن تغلق ان عظیم المرتبت سلاطین میں سے ہے جن پر کسی ملک کی تاریخ کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے۔ برنی نے لکھا ہے کہ جمشیدی و کیخسروی تو اس کی سرشت میں تھی[1] ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

"جامہ جہانبانی وقبار جہانداری برقد وقامت او دوختہ بود، یا اورنگ سلطنت و تخت بادشاہی از برائے جلوس او در آفرینش آمدہ" [2]

مورخوں نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں اگر ارسطو، نظام الملک طوسی یا احمد حسن زندہ ہوتے تو اس کی صلاحیت جہانبانی کو دیکھکر حیرت میں رہ جاتے[3]۔ علم و فضل، شجاعت و شہامت، فہم و ذکاوت، سلیقۂ جہانداری، انصاف پروری و عدل گستری، بلند ہمتی و عالی حوصلگی. شہسواری و صف شکنی۔ غرض جس اعتبار سے دیکھئے سلطان ایک ممتاز شخصیت کا حامل نظر آتا تھا۔ ان فضائل و محاسن کے باوجود اگر وہ ناکام رہا تو یہ اس کی خطا نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری عوام کی اس پست ذہنیت پر ہے جو اس کے تابناک تخیل کا ساتھ نہ دے سکی۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اُسے غلط سمجھا اور اس سے کہیں زیادہ مورخوں نے مسخ کیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کے عہد حکومت کے حالات ان متعصب مورخوں کے ہاتھوں سے لکھے گئے جو اس کے مذہبی افکار و رجحانات سے

---

[1] "تاریخ فیروز شاہی" ضیاء الدین برنی ص ۴۵۷ (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۸۶۲ء ایڈیشن)

[2] ایضاً ص ۴۵۸ [3] ایضاً ص ۴۶۲۔

بنیادی اختلاف رکھتے تھے[۱]۔ چنانچہ انھوں نے اس قدر رنگ آمیزی کی کہ اس کے اصلی خط و خال ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ محاسن، معائب میں بدل گئے اور مظالم کا شہرہ اس بلند آہنگی سے کیا گیا کہ اس کا نام سنتے ہی نظروں کے سامنے ایک ایسی تصویر پھرنے لگی جس کے چہرہ کے گرد، آگ اور خون کا ہالہ رقص کرتا تھا[۲]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اس کے افکار و اعمال کا صحیح جائزہ نہ لے سکے۔ لیکن جوں جوں تاریخی تحقیقات اور انکشافات میں ترقی ہوگی۔ محمد بن تغلق کے کارنامے صحیح تاریخی پس منظر کے ساتھ ہمارے سامنے آجائیں گے اور ہم اس کی عظمت اور بلندی کا صحیح اندازہ کرسکیں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مذہبی معاملات میں ندرتِ فکر و عمل کو بہت کم برداشت کیا گیا ہے۔ جو لوگ حریتِ فکر و ضمیر کے ساتھ مذہب کے مطالعہ کی کوشش کرتے ہیں ان کو سب و شتم کے ایک سیلاب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ محمد بن تغلق کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ علماً اس سے برافروختہ ہوگئے۔ قاضیوں نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ بعضوں نے

---

[۱] محمد بن تغلق کے تین معاصر مورخ ہیں۔ برنی۔ ابن بطوطہ۔ عصامی۔

برنی کو فلسفہ سے نفرت تھی۔ سلطان پر فلسفہ کا پورا اثر تھا اس لئے برنی کو سلطان سے بھی ایک خاص نفرت پیدا ہوگئی تھی۔

ابن بطوطہ قاضی تھا۔ عصامی نے لکھا ہے کہ سلطنت کے قاضیوں نے سلطان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ ممکن نہیں کہ ابن بطوطہ اس سے متاثر نہ ہوا ہو (ا) اس نے اپنی قید کا حال لکھا ہے ممکن ہے یہ اسی کی وجہ سے ہو۔ (ب) قید سے رہا ہونے کے بعد ابن بطوطہ نے باوجود اصرار سلطان کی ملازمت نہیں کی۔ (س) معبر میں ابن بطوطہ نے جلال الدین احسان شاہ کی بیوی کی بہن سے شادی کی۔ جلال الدین، سلطان کے نہایت مشہور اور کامیاب باغیوں میں سے تھا ـــــ ان سب اثرات نے ابن بطوطہ کو سلطان کا بے حد مخالف بنا دیا تھا۔

عصامی کا جہاں تک تعلق ہے اس کا رجحان اس سے ظاہر ہے کہ اس نے اپنی کتاب فتوح السلاطین سلطان علاء الدین حسن، بانیٔ حکومت بہمنی کے نام معنون کی ہے۔ علاء الدین کی بغاوت کو جائز ثابت کرنے کے لئے وہ سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات پر خوب اعتراضات کرتا ہے اور الحاد و زندقہ کا الزام لگاتا ہے۔

[۲] تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی ص ۴۶۰

اُسے کافر اور ملحد کہا[۵۱]۔ عوام ایک طرف تو مذہبی حلقہ کی اس مخالفت سے متاثر ہوئے دوسرے اس کی نئی اسکیموں کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے متعلق ایک عام غلط فہمی پھیل گئی۔ لوگ ایک سانس میں اس کے تبحر علمی اور سیرت کی تعریف کرتے تھے اور دوسرے ہی سانس میں مذہبی طبقہ سے سختی پر اظہارِ غم و ناراضگی کرتے تھے۔ ان متضاد کیفیات کے باعث معاصرین سلطان کا صحیح کیرکٹر نہ سمجھ سکے اور وہ ان کی نظروں میں ایک معمہ اور عجوبہ روزگار بن کر رہ گیا۔

عقلیت پسندی | سلطان محمد بن تغلق عقلیت پسند مسلمان تھا۔ اس نے مذہب کا مطالعہ فلسفہ اور منطق کی روشنی میں کیا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا ـــــ

"حق منحصر در عقلیات است و از نقلیات آنچہ موافق عقلہا بودے قبول نمودے و نقلیات صرف را قبول نہ داشتے۔" [۵۲]

مذہب کا اس تنقیدی انداز میں مطالعہ چودھویں صدی کے ہندوستان میں کیونکر قبول ہو سکتا تھا۔ چنانچہ عوام میں اس کے مذہبی رجحانات کے خلاف ایک عام جذبہ پیدا ہوگیا۔ برنی، جس کو فلسفہ اور علوم عقلی سے سخت نفرت تھی[۵۳] سلطان کی اس عقلیت پسندی کی جگہ جگہ مذمت کرتا ہے ایک جگہ لکھتا ہے۔

"معقولات فلاسفہ کہ مایہ قساوت و سنگدلی است تمامی دل او را گرفتہ بود و منقولات کتب سماوی و احادیث انبیاء را کہ معدنِ رقت و مسکینت و مخوف عقاب گوناگوں عقوبت است در خاطرش مدخلے نماندہ بود۔" [۵۴]

اس بے راہ روی کی وجہ برنی نے یہ بتائی ہے کہ ابتدائی زمانہ میں محمد بن تغلق کو چند ایسے لوگوں کی صحبت ملی تھی جو "بداعتقاد" اور "فلسفی" تھے۔ ان کا اثر سلطان کے دل و دماغ نے

---

[۵۱] فتوح السلاطین۔ عصامی۔ (قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری نمبر ۸۹۵) ص ۲۷۹ (الف) بحوالہ ڈاکٹر مہدی حسین ص ۱۷۴۔

[۵۲] طبقات اکبری۔ از مولانا نظام الدین احمد ص ۱۰۰ (مطبوعہ لکھنؤ)

[۵۳] "ضیاء الدین برنی۔ از مسٹر حسن برنی۔ ص ۱۴۔ (مطبوعہ جامعہ ملیہ دہلی)۔

[۵۴] تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی۔ ص ۴۶۵۔ (مطبوعہ کلکتہ)

بہت جلد قبول کرلیا اور اس کے ذہنی محرکات فلسفہ کے تابع ہوگئے۔ کہتا ہے۔

"بہ سعد منطقی بدمذہب، وعبید شاعر بداعتقاد، ونجم انتشار فلسفی صحبت ومجالست افتاد وآمدوشد مولانا علیم الدین کہ اعلم فلاسفہ بود، درخلوت اوبسیار شد وآں ناجوانمرداں کہ مستغرق ومبتلا ومعتقد معقولات بودند۔ ۔ ۔ علم معقولات را۔ ۔ ۔ ۔ درخاطر سلطان محمد چناں بنشاندند کہ منقولات کتب سماوی واحادیث انبیا رکہ عمدۂ ایمان وستون اسلام ومعدن مسلمانی ومنبع نجات ودرجات است چنانچہ باید وشاید جائے نماند۔ ۔ ۔ ۔" [۵۱]

محمد بن تغلق کی خود نوشت سوانح عمری کے جو چند اوراق دستیاب ہوئے ہیں [۵۲] ان سے سلطان کی مذہبی زندگی کے بہت سے تاریک گوشہ روشن ہوگئے ہیں۔ اس کی علمی تحقیقات میں دلچسپی، علمار کی زمانہ سازی، فلاسفروں سے میل جول، الحاد وبے دینی کے خیالات کا پیدا ہونا اور پھر خیالات کا درست ہونا۔ یہ سب باتیں ان مختصر سے صفحات میں موجود ہیں۔ لکھتا ہے۔

"چوں مردم بالطبع طالب علم اند نفس بے طلب علم قرارنمی یافت"

اس فطرتی میلان نے تحقیقاتِ علمی کی طرف رجوع کردیا۔ طلبِ علم میں جب قدم اٹھایا توسب سے پہلے جس طبقہ سے واسطہ پڑا وہ فلاسفہ کا تھا خود کہتا ہے۔

"اتفاقاً باطائفہ از متفلسفہ برظن آنکہ محق اند محافظت افتاد"

ان لوگوں کی صحبت اور میل جول سے تلاش وتحقیق کی جس منزل پر پہنچا وہ یہ تھی

"از گفتار ایشاں مقدماتے دردل جائے گرفت چوں مقدار مغالطات بسیار گشت

---

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی ص ۴۶۵ ۔

[۵۲] Memoirs of Mohd. bin Tughlaq. (British Museum Add. 25, 785 یہ چند صفحات "طبقاتِ ناصری" کے ایک قلمی نسخہ کے خاتمہ پر چسپاں تھے۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین نے سب سے پہلے ان کا انکشاف کیا ملاحظہ ہو۔ Rise and Fall of Mohd. bin Tughlaq. P. IX.

"تا بہ حدے کہ در وجود صانع شکوک و شبہات[1] مزاحم و معارض شد"

اس فلسفیانہ تلاش و جستجو نے الحاد اور بے دینی کی راہیں دکھا دیں۔ اسی زمانہ میں اس ایک دن شیخ شہاب الدین حق گو سے کہا کہ ولایت کے خاتمہ کی طرح نبوت کے خاتمہ کو عقل تسلیم نہ کرتی جس پر شیخ کو بہت غصہ آیا۔[2] لیکن یہ دور زیادہ عرصہ نہیں رہا اور ایک زمانہ آیا کہ

"صفات باری جل ذکرہ روشن گشت و چوں دل بر وحدت واجب الوجود قرار گشت و تصدیق نبوت کہ واسطہ وصول بندگان است الی اللہ تعالیٰ مقرر شد"۔

اور سلطان پھر صحیح راہ پر آ گیا۔

محمد بن تغلق نے ابتدائی زمانہ میں غلط راستے پر پڑ جانے کا ذمہ دار تمام تر زمانہ ساز علما ٹھیرایا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ علماء وقتی فائدے اور عارضی منفعت کی خاطر نہ صرف اظہار حق سے با بلکہ سلطان کا فلسفہ کی طرف میلان دیکھ کر اسی گروہ کے ہم زبان ہو گئے۔ لکھتا ہے۔

"و علماء روزگار بہ حکم الضرورت تبیح المحظورات بعضے زبان از گفتن حق بستہ بودند و از غایت حرص دستِ شر از آستین بے دینی کشیدہ و بہ طمع مناصب باطل با آں گروہ ہم داستاں گشتہ"

مذہبی علم اور معلومات | تلاش اور تحقیق کا یہ دور بہت جلد ختم ہو گیا۔ سلطان نے چونکہ مذہب پر نہایہ وسیع النظری اور آزادی کے ساتھ غور و فکر کیا تھا اس لئے اسلامی احکامات کی حرمت اور اہمیہ پہلے سے کہیں زیادہ اس کے دل میں قائم ہو گئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ نہ صرف خود مذہب کا پا ہو گیا بلکہ کوشش یہ کی کہ عوام میں بھی صحیح اسلامی تعلیم پھیلائی جائے۔

---

[1] مذہب کی فلسفیانہ تحقیق کے سلسلہ میں یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں۔ جو لوگ مذہب کا مطالعہ نہایت آزادی کے ساتھ فلسفہ کی روشنی میں کرتے ہیں وہ الحاد کی منزل سے بھی ضرور گزرتے ہیں۔ امام الغزالیؒ نے "المنقذ من الضلال" میں بتایا ہے کہ تلاش حق میں کس طرح وہ الحاد اور بے دینی کی راہوں سے گذرے ہیں لیکن آخر سب کی زبان سے یہی نکلا ع

بگذر از عقل و بیاویز بہ موج یم عشق کہ دریں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست (اقبال)

[2] گلزار ابرار۔ از محمد غوثی (در عہد جہانگیر بادشاہ) ص ۴۶۔

شہاب الدین دمشقی نے لکھا ہے کہ سلطان کو قرآن مجید حفظ تھا۔ اور ہدایہ کا کامل متن زبانی پڑھا[۵۱]۔ بعض مرتبہ جب کسی کو نصیحت کرنی ہوتی تھی تو قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنا ایک ذاتی واقعہ لکھا ہے[۵۲]۔ ایک مرتبہ قرض داروں نے اسے بہت پریشان کیا۔ سلطان کو خبر ہوئی تو ابن بطوطہ کو سمجھایا کہ جس قدر میں دیا کروں اس سے زیادہ خرچ مت کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلا تجعل یدک مغلولۃ ولا تبسطھا کل البسط ۰ وکلوا واشربوا ولا تسرفوا ۰

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا وکان بین ذالک قواما ۰

پابندی مذہب | برنی نے لکھا ہے کہ سلطان نماز کا بہت پابند تھا[۵۳]۔ فرشتہ لکھتا ہے۔

"پنج وقت نماز گزاردے وبہ نوافل ومستحبات قیام نمودے وایچ مسکرے نہ خوردے

واز زنا وجمیع عیوب اجتناب نمودے"[۵۴]

روزہ کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ بیماری میں بھی روزہ قضا نہ ہوتا تھا۔ قیام کے زمانہ میں سلطان نے باوجود علالت یوم عاشورہ کا روزہ رکھا[۵۵]۔ معمولی معمولی باتوں میں احکام شریعت کا خیال رہتا تھا۔ اگر کسی جانور کے متعلق یہ شبہ ہوجاتا کہ وہ صحیح طور سے ذبح نہیں ہوا تو اسے پھنکوا دیتا تھا[۵۶]۔ شراب خود تو کبھی پی ہی نہیں۔ لیکن اگر امراء میں سے کوئی پی لیتا تھا تو سخت سزائیں دیتا تھا صبح الاعشیٰ میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے ایک امیر کی ساری جائداد محض اس وجہ سے ضبط کرلی کہ وہ شراب پیا کرتا تھا۔[۵۷]

نماز کی تاکید | سلطان محمد بن تغلق صرف خود ہی نماز کا پابند نہیں تھا بلکہ رعایا کو بھی اس نے

---

۵۱ مسالک الابصار۔ از شہاب الدین دمشقی ——— ۵۲ عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ۔ مترجمہ خان بہادر محمد حسین۔ (مطبوعہ دہلی) ص ۲۳۳ - ۵۳ تاریخ فیروزشاہی۔ از برنی (مطبوعہ کلکتہ) ص ۴۶۰
۵۴ تاریخ فرشتہ۔ از فرشتہ۔ (جلد اول مطبوعہ نولکشور) ۵۵ تاریخ فیروزشاہی از برنی ص ۵۲۲
۵۶ عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ (اردو ترجمہ) ص ۱۷۶۔ ۵۷ صبح الاعشیٰ از قلقشندی (انگریزی ترجمہ مطبوعہ علی گڈھ)
"An Arab Account of India in the 14th Century" by. O. Spies P.64.

نماز کی بہت تاکید کی۔ ابنِ بطوطہ نے لکھا۔

"یہ بادشاہ نماز کے معاملہ میں بہت تاکید کرتا تھا اور اس کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اس کو سزا دی جائے۔ ایک دن اس نے نو آدمی اس بات پر قتل کر ڈالے ان میں سے ایک آدمی مطرب تھا۔ اس کام پر بہت سے آدمی لگائے ہوئے تھے کہ جماعت کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے اس کو پکڑ لاؤ۔ یہانتک کہ سائیس جو دیوان خانے کے دروازہ پر گھوڑے لئے رہتے تھے ان کو بھی پکڑنا شروع کیا حکم تھا کہ ہر شخص نماز و شرائط اسلام کو سیکھے۔ تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔" [۵۱]

معلوم ہوتا ہے کہ ان شاہی احکامات کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ حد یہ ہے کہ ناچنے گانے والی عورتیں تک نماز کی پابند ہوگئیں۔ ابنِ بطوطہ نے امیر سیف الدین ابن مہنی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ہر ایک ڈوم وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو گیا [۵۲]

احترامِ شرع سلطان محمد بن تغلق احکامِ شرع کی پابندی کی سخت تاکید کرتا تھا [۵۳]۔ خود پابندیٔ شریعت کا یہ عالم تھا کہ جن لوگوں کو قتل کا حکم دیتا تھا ان کے قتل کے جواز کا فتویٰ پہلے فقہار سے حاصل کر لیا کرتا تھا۔ چاہے یہ فتویٰ مفتیوں کو اپنے منطقی دلائل سے بدحواس کر دینے کے بعد ہی لیا گیا ہو، تاہم اس سے شریعت کے احترام کا پتہ چلتا ہے۔ بدایونی نے لکھا ہے۔

"در امورِ سیاسی چنداں اہتمام داشت کہ چہار مفتی را در درون خود جا دادہ تا ہر کرا بہ تہمتے می گرفت، اولاً در بابِ سیاست او بہ مفتیان رد و بدل حسب مقدور می کرد وگفتہ بود کہ شما در گفتن کلمۂ الحق از جانب خود بہ تقصیر راضی می باشید۔ اگر کسے ناحق کشتہ شود فروگذاشت از شما خواہد بود۔ دخون آں کس در گردن شما است۔

---

[۵۱] عجائب الاسفار۔ از بطوطہ ص ۱۲۸۔ [۵۲] ایضاً ص ۵۱
[۵۳] ″ ″ ″ ص ۱۳۹ و ۹۷

وبعد از مباحثہ بسیار اگر ملزم می شد ہر چند نیم شب ہم می بود، حکم بہ کشتن می کرد
واگر خود الزام می یافت بہ مجلس دیگر می انداخت وبرائے دفع سخن ایشاں جوابے
می اندیشید و آمدہ تقریر می کرد وبعد ازانکہ مفتیان را مجال حجت نمی ماند ہماں زماں
اورا بہ قتل می رسانید والا در ساعت خلاص می داد" ۵۱

ابن بطوطہ، جس نے افریقہ اور ایشیا کے بہت سے ملکوں کی سیر کی ہے لکھتا ہے کہ اس نے سلطان محمد بن تغلق سے زیادہ منصف بادشاہ نہیں دیکھا۔[۵۲] اس کی عدل گستری اور انصاف پروری امیر و غریب سب کے لئے یکساں تھی۔ ایک مرتبہ اس کے بہنوئی امیر سیف الدین نے بغیر اجازت محل شاہی میں داخل ہونا چاہا۔ امیر حاجب نے روکا۔ اس نے امیر حاجب کو مارا۔ وہ بادشاہ کے پاس خون آلود کپڑوں میں پہنچا۔ بادشاہ نے فوراً امیر سیف الدین کو قاضی کمال الدین کے دیوان میں پہنچوا دیا۔ ۵۳

سلطان خود اپنے معاملہ میں بھی شریعت اور انصاف کا اسی قدر خیال کرتا تھا اور بعض اوقات ملزم کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعوی کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا۔ بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے "پیش قاضی چوں خطا کاراں رسید" وہاں جاکر سلام اور تعظیم کی۔ قاضی کو پہلے سے حکم تھا کہ جب سلطان آئے تو کھڑا نہ ہو۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ امیر کو راضی کرے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا بادشاہ نے ہندو امیر کو راضی کر لیا۔ قاضی نے سلطان کو بری کر دیا ۵۴۔

یافت مورے بر سلیمانے ظفر   سطوت آئین پیغمبر نگر
پیش قرآں بندہ و مولا یکے است   بوریا و مسند و دیبا یکے است   (اقبال)

---

۵۱ "منتخب التواریخ - از مولانا عبد القادر بدایونی - نیز تاریخ مبارک شاہی - از یحیی بن احمد ص ۱۱۶ و ۱۱۵
بدایونی کے اس بیان سے ایک اور اہم نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ سلطان محض خون آشامی کے لئے قتل و خون نہیں کرتا تھا غیظ و غضب کے عالم میں جو قتل کئے جاتے ہیں ان میں اتنی دیر اور بحث و مباحثہ انسانی فطرت برداشت ہی نہیں کر سکتی۔
۵۲ عجائب الاسفار - از ابن بطوطہ ص ۹۷ - ۵۳ ایضاً ص ۱۳۵ ۵۴ ایضاً ص ۱۳۸ -

ایک طرف سلطان کی شان و شوکت عظمت و جلال کا تصور کیجئے اور دوسری طرف شریعت کے اس احترام کا کہ مجرم کی طرح سے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتا ہے۔ ابنِ بطوطہ نے اس قسم کے کئی اور واقعات کا ذکر کیا ہے جن سے سلطان کی تعظیم شریعت کا پتہ چلتا ہے۔

علماء سے تعلقات محمد بن تغلق خود عالم متبحر تھا۔ اس لئے علم کی قدر بھی جانتا تھا۔ صبح الاعشیٰ میں لکھا ہے کہ دو سو فقیہ سلطان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ ان سے دوران طعام میں مختلف مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا[۵۱]۔ علماء کو دور دور سے بلاتا تھا اور اپنے دربار میں انتہائی عزت اور احترام سے رکھتا تھا۔ جو علماء اس کے دربار میں نہ آسکے ان کے لئے سلطان نے نذریں بھیجیں۔ چنانچہ قاضی مجد الدین ولی شیرازی[۵۲] کی تعریف سن کر شیراز ہی میں ان کے پاس دس ہزار روپیہ بھیجدیا[۵۳]۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے قاضی عضد الحی کو بلانے کا واقعہ ماثر الکرام میں لکھا ہے۔ سلطان نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی تصنیف متن مواقف کو اس کے نام معنون کردیں[۵۴]۔ کتابوں کا اسے بیحد شوق تھا۔ قلقشندی نے ابن الحکیم الطیاری کے حوالہ سے لکھا ہے۔

ان شخصاً قدم لہ کتبا فحثی لہ	ایک شخص نے محمد بن تغلق کے سامنے چند کتابیں
حثیتہ من جوھر کان بین یدیہ	پیش کیں تو بادشاہ نے جواہرات جو اس کے سامنے
قیمتہا عشرون الف مثقال	رکھے ہوئے تھے اٹھا کر اس کے حوالہ
من الذھب[۵۵]	کئے۔ ان جواہرات کی قیمت سونے کے ۲۰ ہزار مثقال تھی۔

اس کے عہد میں مولانا عبد العزیز اردبیلی جو امام ابنِ تیمیہؒ کے شاگرد رشید[۵۶] تھے دہلی تشریف

---

۵۱ صبح الاعشیٰ۔ از قلقشندی (انگریزی ترجمہ مطبوعہ علی گڈھ) ص ۴۷۔

۵۲ قاضی مجد الدین شیراز کے نہایت نامور قاضی تھے۔ حافظ نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

دگر مربی اسلام شیخ مجد الدین   کہ قاضی بہ ازو آسماں نہ دارد یاد

۵۳ عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ ص ۱۲۱۔   ۵۴ ماثر الکرام۔ از آزاد بلگرامی ص ۱۸۵ و ۱۸۴ (مطبوعہ آگرہ) نیز اخبار الاخیار از مولانا عبد الحق محدث دہلوی ص ۱۴۲ (مطبوعہ دہلی) ۵۵ صبح الاعشیٰ۔ ج ۵ ص ۹۵ (عربی)

۵۶ امام ابن تیمیہؒ (۱۳۲۷-۱۲۶۲ء) حدیث کے امام تھے ان کے متعلق کہا گیا ہے "کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث" (جس حدیث کو ابن تیمیہؒ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے) ان کے تجدیدی کارنامے بہت عظیم الشان ہیں ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا شاگرد کس پایہ کا عالم ہوگا۔

ے اور اس کے دربار میں باریاب ہوئے۔ مولانا عبدالعزیز نے ایک دن محمد بن تغلق کو ایک حدیث سنائی۔ سلطان اس قدر خوش ہوا کہ جوشِ مسرت میں مولانا عبدالعزیز کے قدم چوم لئے۔[51]

صوفیاء سے عقیدت | محمد بن تغلق پر صوفیاء کرام کا خاص اثر تھا۔ اس کے مذہبی تصورات و تخیل کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے کافی حد تک متاثر کیا تھا۔[52] سلطان المشائخ کی خانقاہ میں وہ اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔ محمد غوثی نے تو یہ لکھا ہے کہ وہ اُن کا مرید ہو گیا تھا۔[53] بعض انگریز مورخوں نے ان ہی تعلقات کی بنا پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے شہزادہ محمد سے غیاث الدین تغلق کے معاملہ میں سازش کر لی تھی۔[54] جو لوگ حضرت شیخ کے حالات سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس قسم کے الزامات کی اصلیت کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت شیخ کی شخصیت ان چیزوں سے بہت بالاتر تھی۔ دہلی کے تخت پر عجیب عجیب ہنگامے ہوئے لیکن انھوں نے کبھی اس طرف دیکھنا بھی پسند نہ کیا۔ مزک نے صحیح لکھا ہے کہ یہ الزام تاریخی شواہد کے قطعاً خلاف ہے[55]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی سلطان نہایت عقیدت سے پیش آیا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمد بن تغلق نے شیخ رکن الدین کو ۱۰۰ گاؤں بطور جاگیر دیئے تھے[56] سلطان شیخ کی عزت بھی بہت کرتا تھا اور ان کے کہنے پر عمل بھی کرتا تھا۔ ملتان میں

---

[51] عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ ص ۱۲۰۔ [52] "Rise and Fall of Mohd. bin Tughlaq" – Dr. Mehdi Hussain. P.23.

[53] گلزار ابرار۔ از محمد غوثی۔ ص ۴۶

[54] Sir W. H. Sleeman: "Rambles and Recollections of an Indian Official" II, P.145.
& Cooper: "The Handbook of Delhi" P. 97.

[55] H. Mzik: "Die Reise des Arabers Ibn Batuta durch Indian und China" (Hamburg, 1911)

[56] عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ ص ۱۲۵۔

بہرام ایبہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد اس نے چاہا کہ ملتان کے ان سب باشندوں کو جنھوں نے اس بغاوت میں ایبہ کا ساتھ دیا تھا تہ تیغ کردے لیکن جب شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے اس سے سفارش کی تو اپنے ارادہ کو ترک کر دیا۔[۱]

ایک مرتبہ ہانسی میں شیخ قطب الدین منورؒ کی خدمت میں فرمان جاگیر کمال الدین صدر جہاں کے ہاتھ روانہ کیا۔ لیکن شیخ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[۲] کچھ لوگوں نے سلطان کو شیخ قطب الدین منورؒ کی جانب سے بدظن کر دیا۔ سلطان نے شیخ کو ملنے کے لئے بلایا۔ شیخ نے مصافحہ کے وقت سلطان کا ہاتھ بہت زور سے دبایا۔ سلطان پر اس کا بہت اثر ہوا اور کہنے لگا۔ "جتنے مشائخ سے میں نے مصافحہ کیا ہے سب کے ہاتھ لرزتے تھے لیکن شیخ قطب الدین نے میرا ہاتھ خوب مضبوطی سے پکڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بزرگ ان لوگوں میں سے نہیں۔ حاسدوں نے مجھے غلط خبر دی۔ مجھے ان کی پیشانی سے دینی رعب اور ادب نظر آیا۔" ـــــ سلطان نے اس کے بعد آپ کی خدمت میں فیروز اور برنی کی وساطت سے ایک لاکھ تنکہ روانہ کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ بڑے اصرار کے بعد دو ہزار تنکہ قبول کیا۔[۳] پھر شیخ قطب الدین کو اس عقیدت سے ہانسی روانہ کیا کہ۔ (میر خورد نے اس موقع پر سعدی کے یہ شعر لکھے ہیں)۔

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد دیدہ در رہ می نہم تا میروی

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

خواجہ کریم الدین سمرقندی کو جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور امیر حسن اور امیر خسرو کے خاص دوست تھے۔ سلطان نے نہایت عزت سے دربار میں بلایا اور شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کیا۔[۴] ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سلطان شیخ صدر الدین کہرانی کی خانقاہ میں خود حاضر ہوا اور لنگر کے خرچ کے واسطے دیہات قبول کرنے کی درخواست کی۔[۵]

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۴۷۹۔ [۲] سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۲۱۹ و ۲۲۰ مطبوعہ لاہور۔ [۳] ایضاً ص ۲۲۳ ۲۲۱ [۴] ایضاً ص ۲۶۷۔ [۵] عجائب الاسفار از ابن بطوطہ ص ۵۳۔

مسالک الابصار کے مصنف کا بیان ہے کہ دو لاکھ خلعت جو ہر سال بادشاہ کے کارخانے میں تیار ہوتے تھے ان میں سے خانقاہوں اور مسجدوں کے شیوخ کو بھی بھیجے جاتے تھے۔[۵۱]

شیخ علاء الدین اور محمد بن تغلق محمد بن تغلق، حضرت بابا فرید گنج شکر کے پوتے شیخ علاء الدینؒ کا مرید تھا۔[۵۲] شیخ علاء الدین بڑے جلال اور مرتبہ کے بزرگ تھے۔ برنی ان کے متعلق لکھتا ہے۔

"شیخ علاء الدین نبیرۂ شیخ فریدالدین راصلاح مشخص وتعبد مجسم افریدہ بود۔۔۔ در تفسیر نوشتہ اند کہ بعضے ملئکہ مقدس بہ محض عبادت خدائے جل وعلا مجبول اند واز آفرینش جز تعبد، ہیچ مشغولی ندارند۔ شیخ علاء الدین نیز ہم ازاں قبیل آفریدہ شدہ بود"[۵۳]

میر خورد نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ظالموں کے ہاتھ سے تنگ آکر روضہ متبرکہ کے جماعت خانہ میں پناہ لیتا تو آپ کے ڈر کی وجہ سے کسی کی مجال نہ تھی کہ مظلوم کو زور و تعدی سے لے جائے۔ خواہ وہ بادشاہِ وقت ہی کیوں نہ ہو۔[۵۴]

تعمیرات مزارات محمد بن تغلق نے صوفیا و مشائخ سے اسی عقیدت کی بنا پر ان کے مزارات تعمیر کرائے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے روضۂ مبارک پر ایک عالی شان گنبد بنوایا۔ جو بقول میر خورد لطافت اور صفائی میں اپنی نظر آپ ہے۔[۵۵] حضرت شیخ علاء الدین کے مزار پر بھی سلطان ہی نے عمارت تعمیر کرائی۔[۵۶] بداؤں میں زیارت میراں ملہمؒ پر ایک کتبہ ہے جس پر لکھا ہوا ہے۔

---

۵۱ مسالک الابصار۔ از شہاب الدین دمشقی۔

۵۲ سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۱۷۴۔ نیز عجائب الاسفار۔ از بطوطہ ص ۳۴۔ ابنِ بطوطہ نے آپ کا نام غلطی سے فریدالدین لکھدیا ہے۔

۵۳۔ تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی ص ۳۴۷۔

۵۴ سیر الاولیا۔ از میر خورد۔ ص ۱۷۴۔ ۵۵۔ ایضاً ص ۱۳۶۔ ۵۶ ایضاً ص ۱۷۴۔ نیز۔ گلزار ابرار محمد غوثی ص ۵۳۔

۵۷ میر ملہم شہیدؒ۔ آپ سالار مسعود غازی کے رفیقوں میں سے ہیں۔ حضرت بدرالدین شاہ ولایت بدایوں آپ کی زیارت مزار کے لئے برہنہ پا تشریف لاتے تھے ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین۔ از مولوی رضی الدین بسمل بدایونی (مطبوعہ لکھنؤ) ص ۱۱-۹

اتممت عمارۃ جدید فی عہد سلطان الاعظم ابوالمجاہد فی سبیل اللہ
محمد بن تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ و
اعلیٰ امرہ وشانہ المعمار محمد سلطانی یوم احدی الثامن من ربیع الاخر سنہ ۷۲۸ھ [۵۱]

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مزارات سے اسے عقیدت بھی تھی اور ان پر وہ حاضر بھی ہوا کرتا تھا حضرت سید سالار مسعودؒ کی زیارت کا حال برنی لکھتا ہے۔

"در بہرائچ رفت و سپہ سالار مسعود شہید راکہ از غزاۃ سلطان محمود سبکتگین بود۔ زیارت کرد و مجاوران روضہ اور اصدقات بسیار داد" [۵۲]

اشاعتِ اسلام کا جذبہ محمد بن تغلق کے قلب میں ایک خاموش تبلیغی جذبہ کروٹیں لیتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ اسلام کو ہندوستان میں بڑھتا اور ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر اس نے اُن دور دراز علاقوں میں جہاں مسلمان آبادی نسبتاً کم تھی علماء و مشائخ کو نہایت کوشش سے بھیجا۔ اس کی سیاسی بصیرت نے بتا دیا تھا کہ جس جگہ مسلمانوں کی آبادی نہ ہوگی وہاں اسلامی سلطنت کی بنیادیں استوار نہ ہو سکیں گی۔ اور اس سلسلہ میں ہر کوشش کوہ کندن وکاہ برآوردن کی مصداق ہوگی۔ چنانچہ دکن کے مسئلہ پر جب اس نے غور کیا تو اس کی دوربین نظر اسی طرف گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے پیش رو باوجود بے پناہ طاقت اور قوت رکھنے کے دکن پر براہِ راست حکومت نہ کر سکے۔ علاؤالدین جیسے بادشاہ نے صرف خراج وصول کرنے پر اکتفا کر لیا۔ اس کی نظر فوراً تہ تک پہنچ گئی، اور سمجھ گیا کہ اس خطہ میں جب تک مسلمان آبادی نہ ہوگی، دہلی سے حکومت کرنے کا خواب منت کشِ تعبیر نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے کوشش کی کہ علماء و مشائخ کو دکن بھیجا جائے تاکہ وہاں پہنچ کر تبلیغِ اسلام کریں اور اسلامی آبادی کو فروغ دیں جس کو تبدیلی دار السلطنت کے نام سے اب تک سنتے چلے آئے ہیں وہ کیا چیز تھی؟ حقیقت میں اسی سلسلہ کی ایک کوشش تھی جس کو

---

[۵۱] کنز التاریخ (تاریخ بدایوں) از مولوی رضی الدین بسمل (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں) ص ۵۱۔

[۵۲] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۴۹۱۔ نیز عجائب الاسفار از ابن بطوطہ ص ۱۹۰ و تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۰۰ (اردو)

مورخوں نے اس انداز میں پیش کیا کہ ایک مضحکہ خیز حرکت بن کر رہ گئی۔

• سلطان محمد بن تغلق نے اپنا دارالسلطنت دہلی سے تبدیل نہیں کیا تھا اس نے صرف علماء و مشائخ کو دیوگیر بھیجا تھا۔ تاکہ وہ وہاں جاکر تبلیغ اسلام کریں۔ اس کی فوج، خزانے اور دفاتر سب دہلی میں رہے[۵۱]۔ ہماری نظروں میں دارالسلطنت کی تبدیلی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ زیادہ تر مورخوں کے زورِ قلم کی رہینِ منت ہے۔ سلطان نے جس مقصد کے لئے "بزرگان دہلی" کو دیوگیر بھیجا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ میر خورد نے لکھا ہے۔

"دیوگیر روانگی سے قبل سلطان نے ایک دربار عام کیا۔ اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہاد[۵۲] کی ترغیب دی۔ اس جلسہ میں مولانا فخرالدینؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ اور شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ بھی موجود تھے"[۵۳]

ڈاکٹر مہدی حسین نے اپنی کتاب "عروج و زوال محمد بن تغلق" میں ثابت کیا ہے کہ صرف مسلمان ہی دیوگیر بھیجے گئے تھے[۵۴]۔ اس کی تصدیق برنی، میر خورد اور عصامی کے بیانات سے ہوتی ہے۔

(۱) برنی دہلی کی بربادی پر اس طرح افسوس کرتا ہے۔

"دارالملک دہلی را کہ در مدت صد و شصت و ہفتاد سال آبادانی آں دست داده بود و مصر جامع شده و موازی بغداد گشته با جملہ سرایہا و قصبات حوالی چہار کروہی و پنج کروہی خراب کردند۔ ۔ ۔ ۔" [۵۵]

---

۵۱ ملاحظہ ہو:- Dr. Mehdi Hussain's Rise & Fall of Mohd. bin Tughlaq & my article "Was the Capital transferred" in M.C. Magazine 1942 (March) PP 34-38.

۵۲ اس جہاد سے مقصد خاموش طریقہ پر اشاعتِ اسلام تھا۔ جیسا کہ "سیر الاولیا" سے ظاہر ہے اور ڈاکٹر آغا مہدی حسین نے تشریح بھی کر دی ہے ملاحظہ ہو "عروج و زوال محمد بن تغلق" (انگریزی) ص ۱۱۳۔

۵۳ سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۲۳۹۔

۵۴ Rise & Fall of Mohd. bin Tughlaq. P. 112.

۵۵ تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی ص ۴۷۴۔

برنی افسوس کرتا ہے دہلی کی اس آبادی کے اُجڑنے پر جو ۱۶۰، ۱۷۰ سال سے وہاں تھی۔ ظاہر کہ ۱۶۰، ۱۷۰ سال کے باشندے مسلمان ہی تھے اور یہ مدت فتح دہلی سے لگائی گئی ہے۔

(۲) "فتوح السلاطین" کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ عصامی اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ محمد بن تغلق خدا کی طرف سے مسلمانان دہلی کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لئے بھیجا گیا تھا[۵۱] وہ ہندوؤں کا ذکر نہیں کرتا اس لئے کہ ان پر اس کا کوئی اثر ہی نہیں پڑا تھا۔

سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ نظام الدین اولیا سلطان غیاث الدین تغلق کی مجلسِ مناظرہ سے جو سماع کے متعلق ہوئی تھی واپس آئے تو فرمانے لگے "یہاں کے علماء احادیثِ نبوی کو نہیں سنتے۔ ۔ ۔ ۔ جب سے انھوں نے روایت حدیث سے منع کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس بے اعتقادی کی شامت سے بلا و مصیبت نازل نہ ہو" آگے چل کر میر خورد لکھتے ہیں "اس بحث کے چوتھے سال تمام علماء جو اس مجلس بحث میں شامل تھے۔ دیوگیر جلا وطن کئے گئے"[۵۲] اس سے بھی ظاہر ہے کہ کن لوگوں پر اس کا اثر پڑا۔

(۳) علاوہ ازیں سیرالاولیا کے ایک اور بیان سے بھی محمد بن تغلق کے مقصد کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتا ہے کہ جب مولانا فخرالدین زرادی دیوگیر پہنچے تو حج جانے کے بارے میں مشورے کرنے کے لئے گئے قاضی صاحب نے کہا کہ بغیر اجازت سلطان جانا مصلحت نہیں کیونکہ اس کا ارادہ شہر کے آباد کرنے کا ہے اور اس کو علماء و مشائخ کے وجود سے زینت دینے کا ہے"۔ [۵۳]

حقیقت میں سلطان محمد بن تغلق دیوگیر کو اسلام کا مرکز بنانا چاہتا تھا تاکہ وہاں سے اسلام کی شعاعیں دکن کے گوشہ گوشہ میں پہنچ سکیں۔ دیوگیر کے سکوں پر "قبہ دین اسلام" لکھا ہوا ہے[۵۴]۔ دین کا لفظ اس سکہ میں بالکل نئی چیز ہے۔ بدرالاسلام، دارالاسلام، وغیرہ الفاظ تو عام طور سے سکوں پر

---

۵۱ فتوح السلاطین۔ از عصامی (انڈیا آفس نسخہ نمبر ۸۹۵) ص ۲۴۹ - ۲۴۷۔ بحوالہ ڈاکٹر مہدی حسین ص ۱۱۲

۵۲ سیرالاولیاء از میر خورد ص ۴۸۸ - ۴۸۷ (مطبوعہ لاہور) ۵۳ ایضاً ص ۲۳۹

۵۴ E. Thomas: "Chronicles of the Pathan Kings of Delhi" P. 209.

کندہ کرائے جاتے تھے۔ لفظ " دین " خاص طور سے قابل غور ہے۔ اور اس صورت میں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ سلطان محمد بن تغلق نے سکوں کے ذریعہ سے اپنا پیغام عوام تک پہنچانے کی کوشش بھی کی تھی۔ ۵۱

دکن کے علاوہ ہندوستان کے دیگر حصوں میں بھی سلطان نے علماء و مشائخ کو بھیجنے کی بیحد کوشش کی۔ مولانا شمس الدین یحییٰ کو جو بڑے پایہ کے عالم تھے سلطان نے اپنے دربار میں بلایا اور کہا "آپ جیسا عالم یہاں رہ کر کیا کر رہا ہے۔ کشمیر میں جا کر وہاں کے بت خانوں میں بیٹھ کر خلقِ خدا کو اسلام کی دعوت دیجئے " ۵۳

خواجہ علاؤالدین اجودھنی کے بیٹے شیخ معزالدین کو سلطان نے گجرات بھیجا۔ آپ وہاں تبلیغی کام کرتے رہے اور وہیں شہید ہوئے " ۵۴

علماء و صوفیائے کشیدگی کے اسباب مذہبی تذکرہ نگاروں نے اکثر جگہ محمد بن تغلق کی علماء پر سختی کا ذکر کیا ہے جس جگہ محمد بن تغلق کا نام آیا ہے وہاں یہ بھی ضرور لکھا ہوا ہے کہ وہ علماء و مشائخ پر ظلم و ستم کیا کرتا تھا۔ لیکن کہیں اس جبر و استبداد کی نوعیت کا پتہ نہیں چلتا۔ کس قسم کی تکلیف دیتا تھا؟ کس " شرعی حیلہ " ۵۵ سے دیتا تھا؟ اس سلسلہ میں یہ سیرت نگار اور تذکرہ نویس بالکل خاموش ہیں۔

---

۵۱ Dr. R. P. Tripathi: "Some Aspects of Muslim Administration" P. 61.

۵۲ آپ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور چراغ دہلوی کے استاد تھے۔ حضرت چراغ دہلویؒ نے آپ کے متعلق لکھا ہے۔

سالت العلم من احیاک حقاً   فقال العلم شمس الدین یحییٰ

میر خورد نے آپ کو " دریائے علم اور گنج زہادت " کہا ہے (سیر الاولیاء ص ۲۰۱ و ۱۹۷) مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں " وکار علم و تبحر مولانا بجائے کشید کہ استاداں دہلی در حلقہ درس او بہ زانوئے ادب نشستند و در ذیل تلامذہ منسلک گشتہ بہ شاگردی افتخار نمودند " (ماثر الکرام ص ۱۸۳)

۵۳ سیر الاولیاء۔ از میر خورد ص ۲۰۱۔ نیز اخبار الاخیار۔ از مولانا عبدالحق محدث دہلوی ص ۹۷

۵۴ سیر الاولیاء۔ از میر خورد ص ۱۷۴۔

۵۵ ہمیں یہ معلوم ہے کہ بغیر فتویٰ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا (منتخب التواریخ۔ تاریخ مبارک شاہی)

سیر الاولیا میں کئی جگہ مشائخ پر سختی کا شکوہ ہے لیکن اس سے زیادہ تفصیل کہیں نہیں لکھی کہ " وہ ان پر ظلم وستم کیا کرتا تھا" یہ ظلم وستم کیا تھا؟ اور کیوں کیا جاتا تھا؟ اس کا جواب دینے کی میر خورد نے کوشش نہیں کی۔ لیکن وجوہات کا پتہ لگانا دشوار نہیں۔ خود سیر الاولیا کے بعض جملوں سے اس شکایت کی ساری نوعیت معلوم ہو جاتی ہے۔

میر خورد نے لکھا ہے " سلطان ان دنوں سادات ومشائخ کو ادھر سے ہٹا کر کسی دنیاوی کام پر لگا دیتا تھا"[۵۱] یہ دنیاوی کام یہ تھا کہ سلطان ان بزرگوں کو اپنی مرضی کے مطابق ہندوستان کے مختلف حصوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجنا چاہتا تھا۔ یہاں لوگوں کے دل میں بجا طور پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی برا کام نہیں تھا۔ نہ اس میں ظلم وستم کا کوئی پہلو ہے نہ صوفیا وعوام کی شکایت کا باعث۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسی کے اندر صوفیا اور عوام دونوں کی ناراضگی کے اسباب پنہاں ہیں۔ جہاں تک صوفیا کی مخالفت کا تعلق ہے یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ صوفیا ومشائخ نے اپنے معاملات میں سلاطین کی مداخلت کو (خواہ وہ نیک کام ہی کے لئے کیوں نہ ہو) کبھی اچھا نہیں سمجھا۔ وہ اپنے نظام اور پروگرام کے مطابق جہاں مناسب سمجھتے تھے کام کرتے تھے۔ سلاطین کے احکامات کے مطابق اپنے کام کو انجام دینا وہ "شغل"[۵۲] کے مترادف تصور کرتے تھے جو ان کی نظر میں روحانی موت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ [۵۳] مولانا کمال الدین زاہد"[۵۴] کا وہ جواب جو انھوں نے سلطان بلبن کو دیا تھا[۵۵] یاد رکھنے کے قابل ہے اس سے صوفیا کے رجحان کا پتہ چلتا ہے

---

۵۱ سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۱۹۳۔ ۵۲ لفظ "شغل" اس زمانہ میں ملازمت شاہی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔
۵۳ اس موضوع پر میں نے اپنے انگریزی مضمون
مطبوعہ میرٹھ کالج میگزین (مارچ ۱۹۴۵ء) ص ۷۔ ۶ میں بحث کی ہے۔
۵۴ مولانا کمال الدین زاہد حضرت شیخ نظام الدین اولیا رح کے استاد تھے۔ انھوں نے حدیث کی سند مولانا برہان الدین تلمیذ مؤلف مشارق الانوار سے حاصل کی تھی۔ تبحر علمی اور زہد واتقا کا دور دور شہرہ تھا ملاحظہ ہو" اخبار الاخیار" از مولانا عبدالحق محدث دہلوی رح ص ۱۷۔ ۵۵ سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۹۵۔ ۹۴

بلبن نے امامت شاہی قبول کرنے کی درخواست کی تو مولانا نے بے دھڑک جواب دیا "ہمارے پاس سوائے نماز کے اور کیا ہے۔ کیا بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی جاتی رہے۔" اس جملہ کو سامنے رکھنے کے بعد کوئی شخص صوفیاء کی اس کام میں مخالفت پر تعجب نہیں کرسکتا۔ رہا عوام کی ناراضگی کا سبب سو اس کا اندازہ صرف وہ لوگ کرسکتے ہیں جن کو عوام کی صوفیا سے عقیدت کا تھوڑا سا بھی علم ہے دہلی کا وہ سماں یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو اپنے ہمراہ لیکر دہلی سے اجمیر روانہ ہوئے ہیں تو میلوں تک سلطان التمش اور باشندگان دہلی، دیوانہ وار، آہ و زاری کرتے، قدموں کی خاک اٹھاتے چلے گئے ہیں[۵۱] وہ وقت بھی بھولنا نہیں چاہئے جب قطب صاحبؒ کی وفات پر بابا فرید گنج شکر دہلی تشریف لائے ہیں۔ آئے ہوئے تیسرا دن ہے باہر نکلتے ہیں تو ایک شخص رو کر یوں کہتا ہے "جب آپ ہانسی میں تھے تو روز ملاقات ہوجاتی تھی اب سخت مشکل ہے۔"[۵۲] اور جہاں جوش عقیدت کا یہ عالم ہو ۔۔۔ کہ

"از شہر تا غیاث پور چندیں مواضع نزہ چبوترہا بنا یندہ بودند و چھپر انداختہ و چاہ ہا کاوانیدہ و مٹہا و سبوہا پر آب و آفتابہائے گلین مرتب داشتہ و بوریا ہا فراز کردہ در ہر چبوترہ و چھپرے حافظے و خادمے نصب شدہ تا مریداں و تائباں و صالحاں را در آمد و شد آستانہ شیخ را برائے وضو ساختن بوقت گذاردن نماز خاطر متعلق نہ گردد" [۵۳]

اندازہ لگائیے کہ جب ایسے مقبول مشائخ کو دور دراز حصوں میں بھیجا گیا ہوگا تو عوام پر کیا گذری ہوگی؟ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ برنی نے، جو ان عقیدت مندوں کے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جب خانقاہوں کو خالی دیکھا تو اس کو ساری دہلی اجڑی ہوئی اور سونی نظر آئی۔

سیر الاولیا کے صفحے الٹئے، جہاں کہیں سلطان کے ظلم و ستم کا ذکر ملیگا وہاں اس کی وجہ یہی نظر آئیگی کہ سلطان مشائخ کو اپنے دربار میں بلا کر مختلف مقامات پر بھیجنے کی کوشش کر رہا ہے،

---

۵۱ سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۵۱-۵۰ - ۵۲ ایضاً ۶۶-۶۵

۵۳ تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی ص ۳۴۴۔

مولانا شمس الدین یحییٰ پر ظلم و ستم کی تفصیل یہ ہے کہ ان سے کشمیر جانے کا اصرار ہے۔[۱] شیخ قطب الدین منورؒ پر سختی کی روئداد یہ ہے کہ انھیں ہانسی سے دہلی اپنے ہمراہ لایا ہے۔[۲] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ محمد بن تغلق مشائخ سے اپنا ذاتی کام لیا کرتا تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے:۔

"نقل است کہ پادشاہ محمد تغلق شاہ کہ بہ واسطۂ بسیارے قتل وسیاست اورا خونی می گفتند با درویشاں سو مزاج بہم رسانیدہ حکم کرد کہ درویشاں بطریق خدمت گاراں خدمتم نمایند۔ پس یکے مرا تنبول خوراند و دیگرے دستار بہ بندد۔ الغرض بسے مشائخ را خدمتے مقرر کردہ بہ شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی تکلیف بہ جامہ پوشانیدن نمود۔ ۔ ۔ ؟ [۳]

محمد بولاق چشتی[۴] مصنف "مطلوب الطالبین" نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے۔

"بعض می گویند سلطان محمد تغلق، شیخ نصیر الدین را جامہ دار خود کردہ بود محض کذب گفتار عوام الناس است و بہ کتابے درنظر نیامدہ" [۵]

یہاں کچھ لوگ شاید ابن بطوطہ کے اس بیان سے استدلال کریں۔

"محمد شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخوں اور عالموں کو اپنی نج کی خدمت سپرد کیا کرتا تھا۔" [۶]

لیکن میرے نزدیک اس "نج کی خدمت" سے مراد یہی تبلیغی کام تھا جو وہ علما کے سپرد کیا کرتا تھا۔ اس خیال کی تائید ابن بطوطہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو وہ اسی جملہ کے آگے تحریر کرتا ہے۔

اور یہ دلیل لاتا تھا کہ خلفاء راشدین سوا اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہیں کرتے تھے۔" [۷]

---

[۱] سیر الاولیا، از میر خورد ص ۲۰۱ [۲] ایضاً ص ۲۲۲۔

[۳] تاریخ فرشتہ۔ از محمد قاسم فرشتہ (مقالہ دوازدہم) ص ۴۵۔ (مطبوعہ کانپور)

[۴] مذہبی تذکرہ نویسوں میں محمد بولاق چشتی ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ اس کے یہاں واقعات کی تحقیق بالکل تاریخی انداز میں ہوتی ہے۔ ترتیب کا بھی وہ بہت خیال رکھتا ہے۔ مطلوب الطالبین کی ترتیب تو واقعی قابل داد ہے۔ مذہبی تذکرہ نویسوں میں یہ دونوں باتیں مشکل سے ملتی ہے۔

[۵] مطلوب الطالبین۔ محمد بولاق۔ (قلمی نسخہ) [۶] عجائب الاسفار۔ از بطوطہ ص ۱۴۵۔ [۷] ایضاً ص ۱۴۵

ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین نے اہلِ علم اور اہلِ صلاح کو کس قسم کی خدمت سپرد کی ہوگی؟[1] اسی قسم کی خدمت سلطان اولیاؤ مشائخ سے چاہتا تھا۔ بعد کے تذکرہ نویسوں نے اس کو جامہ اور پگڑی پہنانے کی خدمت بنا دیا اور سلطان کی خوب تشہیر کی۔

محمد بن تغلق نے اپنے عہد میں بعض صوفیوں اور درویشوں کو سزائیں ضرور دی تھیں اور اسی بنا پر قتل و غارت گری کی یہ داستانیں زبان زد خاص و عام ہیں۔ لیکن ان سزاؤں کی وجوہات کو نظر انداز کرنا بڑی بے انصافی ہے۔ محمد بن تغلق ظالم بادشاہ نہیں تھا۔ انسانی خون بہانے میں اس کو کوئی لطف نہیں آتا تھا۔ اس نے بلا سبب کسی عالم یا صوفی کو نہیں ستایا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ اسباب غلط فہمی کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ سلطان اور صوفیا، دونوں نے ایک دوسرے کو غلط سمجھا تھا صوفیا، یہ سمجھتے تھے کہ سلطان ان کی زندگی کے ان پہلوؤں پر حاوی ہونا چاہتا ہے جو اب تک سیاست اور سلاطین سے یکسر بے تعلق رہے ہیں۔ سلطان یہ سمجھتا تھا کہ صوفیا اس کی حکم عدولی پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر ایک طرف سلطان اپنے احکام سے سرتابی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا تو دوسری طرف صوفیا رکرام بھی اپنے اس مسلک کو جسے ان کے بزرگوں نے انتہائی خطرات کے وقت بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا، توڑنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ دونوں میں کشمکش پیدا ہوئی اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو آج تاریخ کے صفحات میں سلطان محمد بن تغلق کی بدنامی کی صورت میں نظر آتا ہے۔

بعض قتل بالکل سیاسی مصالح کی بنا پر ہوئے تھے۔ مثلاً شیخ ہود کا قتل۔ شیخ ہود، شیخ رکن الدین ملتانیؒ کے پوتے تھے لیکن انھوں نے عیش و عشرت کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

---

[1] شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے خود ایک مرتبہ اپنی مجلس میں بیان فرمایا "ایک شخص امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں آیا۔ بولا۔ اے خلیفہ مجھ کو کہیں کی حکومت دیجئے۔ آپ نے پوچھا۔ تو نے قرآن پڑھا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا۔ اول قرآن پڑھ" ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۹۲-۹۱

قاضی ابو یوسفؒ نے لکھا ہے "حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا ملاحظہ ہو کتاب الخراج ص ۱۲۰

جاگیر کے سو گاؤں جو شیخ رکن الدین کو دیئے گئے تھے شیخ ہود اپنے ذاتی صرف میں لانے لگے تھے شاہانہ ٹھاٹ کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے گھر کی تلاشی لی گئی تو جوتیوں کا ایک جوڑا نکلا جس پر جواہرات اور یاقوت جڑے ہوئے تھے سلطان نے ان کی دولت ضبط کرلی۔ اس کے بعد شیخ ہود نے ترکستان بھاگ کر جانے کا ارادہ کیا تو سلطان کو سیاسی خطرات پیدا ہوئے۔ انھیں بلا کر کہا تیرا ارادہ یہ تھا کہ ترکستان جا کر کہے کہ میں شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کا بیٹا ہوں۔ بادشاہ نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اور اس طرح ترکوں کو مدد کے لئے لائے[۵۱] یہ کہکر سلطان نے ان کو قتل کرا دیا[۵۲]

شیخ شمس الدین کول کے رہنے والے بزرگ کا قتل اس لئے کرایا گیا کہ انھوں نے اپنی مجلس میں نہ صرف باغی امیر کی تعریف کی بلکہ اس کو بادشاہی کے لائق بتایا[۵۳] شیخ حیدری کا قتل بھی سیاسی وجوہات کی بنا پر ہوا انھوں نے قاضی جلال افغانی سے کھمبات کی بغاوت میں سازش کرلی تھی اور مفتیوں نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا تھا[۵۴] خطیب الخطبا دہلی کو اس لئے زد و کوب کیا گیا کہ شاہی خزانے کے جواہرات ان کی بے پرواہی سے تلف ہو گئے تھے[۵۵] عفیف الدین کاشانی کے قتل کی بھی کچھ ایسی ہی وجوہات نہیں[۵۶]۔ ابنِ بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں تفصیل سے بعض ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کو سلطان نے قتل کرایا۔ یا سزائیں دیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سزاؤں کا باعث کوئی نہ کوئی سازش یا سیاسی نافرمانی ضرور تھی۔[۵۷]

محمد بن تغلق اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ	سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق اور حضرت چراغ دہلوی کے تعلقات اچھے نہ تھے[۵۸]۔ میر خورد نے کشیدگی تعلقات کی وجہ

[۵۱] شیخ بہاء الدین ذکریاؒ اور ان کے سلسلہ کا سندھ، سیوستان اور ترکستان میں بڑا اثر تھا۔ برنی لکھتا ہے —
"وتمامی اہالی دریائے سندھ از ملتان واچہ وفرود تر دیلہ با آستان متبرک شیخ رکن الدین قدس اللہ سرہ العزیز تشبت و تعلق نمودہ بودند" ملاحظہ ہو "تاریخ فیروز شاہی" ص ۳۴۸

[۵۲] عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ ص ۱۵۴ و ۱۵۲۔ [۵۳] ایضاً ص ۱۵۴۔ [۵۴] ایضاً ص ۱۵۶۔ [۵۵] ایضاً ص ۱۵۸
[۵۶] ایضاً ص ۱۵۰۔ [۵۷] ایضاً ص ۱۵۸ و ۱۴۴ [۵۸] سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۲۱۵

نہیں بتائی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ حضرت چراغ دہلوی نے سلطان محمد کے گجرات کے قیام کے زمانہ میں فیروز کو دہلی میں تخت پر بٹھا دیا تھا[۵۱]۔ سلطان کو گونڈل قیام کے زمانہ میں اس کی اطلاع ہوئی اور دونوں کو قید کر کے لانے کا حکم دیا۔ اگر بدایونی کا یہ بیان صحیح ہے تو کشیدگی تعلقات کی وجہ ظاہر ہے اس لئے ہم اس واقعہ پر ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔ برنی نے اس کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے۔

"پیش ازاں کہ سلطان در گونڈل آید و اقامت فرماید خبر نقل ملک کبیر از دہلی رسید واز خبر نقل او سلطان منقسم دل گشت وہم از لشکر احمد ایاز و ملک مقبول نائب وزیر ممالک را از برائے پرداخت مصالح دار الملک دہلی فرستاد واز دہلی خداوندزادہ و مخدوم زادہ و بعضے مشائخ و علماء و اکابر و معارف و حرمہائے ملوک و امراء و سوار و پیادہ سلطان محمد در گونڈل طلب فرمود" [۵۲]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان علماء و مشائخ میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی بھی تھے میر خورد نے اس کی وضاحت کر دی ہے لکھا ہے۔

"یہ بادشاہ آخری عمر میں شہر دہلی سے قریباً ہزار کوس کے فاصلہ پر ٹھٹھہ میں بغاوت فرو کرنے کے لئے گیا۔ وہاں پر شیخ نصیر الدین کو مع علماء اور بزرگوں کے طلب کیا جب وہاں پہنچے تو چنداں خاطر و مدارات سے پیش نہ آیا" [۵۳]

آخر کیا وجہ تھی کہ ایک اہم جنگی مہم کے زمانہ میں سلطان نے ان علماء و مشائخ کو ٹھٹھہ بلایا؟ محمد غوثی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان نے ناراضگی کی حالت میں شیخ کو وہاں طلب کیا تھا اور شیخ کو اس کا علم بھی تھا۔ چنانچہ ٹھٹھہ جاتے ہوئے وہ نارنول میں شیخ محمد ترک نارنولی کے مزار پر

---

۵۱ منتخب التواریخ۔ از بدایونی ص ۲۴۲ (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)

۵۲ تاریخ فیروز شاہی۔ از برنی ص ۵۲۳ ۵۳ سیر الاولیا۔ از میر خورد ص ۲۱۵

محمد بولاق چشتی نے "مرات الاسرار" کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ ٹھٹھہ روانگی کے وقت سلطان ان بزرگوں کو ہمراہ لے گیا تھا لیکن برنی اور میر خورد کے صاف بیانات کے پیش نظر یہ بالکل غلط ہے (مطلوب الطالبین)۔

حاضر ہوئے اور بہت دیر مراقبہ میں مستغرق رہے اور کشایشِ مشکل کے لئے دعائیں مانگیں [۵۱]۔ میر خورد کے اس بیان سے کہ وہ خاطر و مدارات سے پیش نہ آیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ناراضگی کی حالت میں شیخ کو بلایا تھا۔ آگے چل کر میر خورد نے خود لکھا ہے۔

آپ نے اس ذلت کو برداشت کیا جس کے عوض بادشاہ کو بجائے تختِ سلطنت کے تابوت میں ڈال کر لائے۔ الغرض جب آپ سے پوچھا گیا کہ یہ بادشاہ آپ کو تکلیف کیوں دیا کرتا تھا تو فرمایا میرے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک معاملہ تھا تو اس معاملہ کی بنا پر اس کو دنیا سے اٹھا یا گیا ہے۔" [۵۲]

یہاں دو سوالات اور پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) فیروز اور چراغ دہلویؒ کے تعلقات کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) فیروز نے اگر بغاوت کی ہوتی تو سلطان اس کو ضرور سزا دیتا لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

جہاں تک فیروز اور حضرت چراغ دہلوی کے تعلقات کا مسئلہ ہے وہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فیروز کو جن بزرگوں نے تختِ سلطنت پر بٹھایا ان میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ بھی شامل تھے [۵۳] جہاں تک فیروز کو سزا دینے کا سوال ہے، برنی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر وقت میں دونوں میں صفائی ہوئی تھی۔ برنی لکھتا ہے۔

"درایامے کہ سلطان محمد در لشکر مریض شد و مرض سلطان امتداد گرفت خداوند عالم سلطان محمد را تداوی بسیار کرد خدمت و شفقت و حق گزاری ولی نعمت بسیار بجا آورد۔ و سلطان محمد از بادشاہ عہد و زمان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ، بنایت راضی گشت و شفقتے کہ در قدیم الایام درباب خداوند عالم داشت یکے بہ ہزار کرد" [۵۴]

---

[۵۱] گلزار ابرار۔ از محمد غوثی ص ۶۹۔ نیز۔ اخبار الاخیار۔ از مولانا عبدالحق ص ۸۷۔

[۵۲] سیر الاولیار۔ از میر خورد ص ۲۱۵ [۵۳] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۵۳۵۔ درویش جمالی نے

[۵۳] لکھا ہے "سلطان فیروز از کمترین معتقدان ایشاں بود" سیر العارفین ص ۱۲۰

[۵۴] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۵۳۲۔

برنی کے اس بیان میں سلطان محمد کی ناراضگی کی طرف ایک خاموش اشارہ ہے۔

بہر حال اس تمام گفتگو سے نتیجہ یہ نکلا کہ بدایونی کا بیان بے بنیاد نہیں ہے اور سلطان محمد بن تغلق اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے تعلقات کی کشیدگی کا باعث یہ ہی امر تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ پہلا موقع تھا کہ چشتیہ سلسلہ کے کسی بزرگ نے دہلی کی سیاست میں ایسا نمایاں حصہ لیا۔ یقیناً اس وقت سلطنت میں انتہائی بدنظمی اور ابتری ہوگئی ہوگی کہ حضرت چراغ دہلویؒ بھی خاموش نہ رہ سکے۔ اور مجبوراً محمد بن تغلق کی غیر موجودگی میں فیروز کو تخت پر بیٹھنے میں مدد دی۔ ورنہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے انتہائی نازک اور خطرناک وقت میں بھی دہلی کی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

خلافت سے تعلقات خلافت سے تعلقات کے سلسلہ میں جب ہم سلطان محمد بن تغلق کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو مختلف دور نظر آتے ہیں۔ پہلا ابتدا عہد سے سنہ ۷۴۱ھ تک اور دوسرا ۷۴۱ھ سے اختتام عہد تک۔ پہلے دور میں سلطان نے خلافت کو تقریباً نظر انداز کر دیا تھا[1]۔ دوسرے دور میں سلطان نے خلافت سے جس عقیدت کا اظہار کیا وہ سلاطین اسلام کی تاریخ میں یقیناً عدیم النظیر تھا۔

پہلے دور کے سکوں پر خلیفہ کا نام کہیں نہیں ملتا۔ اس کی بجائے خلفائے راشدین کے نام کلمہ، آیاتِ قرآنی وغیرہ کندہ ہیں۔ بعض سکوں پر

واللہ الغنی وانتم الفقراء [2]

بعض پر "محی سنن خاتم النبیین"[3] کھدا ہوا ملتا ہے۔ سنہ ۷۳۰-۳۱-۳۲ھ میں جو سکے دیوگیر سے جاری ہوئے ہیں ان پر کندہ ہے۔

من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن [4]

---

[1] خلافت سے بالکل قطع تعلق کر دینے کا خیال صحیح نہیں۔ اس زمانہ کے سکوں پر گو خلیفہ کا نام نہیں ملتا لیکن عمارتوں پر "ناصر امیر المومنین" لکھا ہوا ملتا ہے۔ مثلاً ۷۲۸ھ کا کتبہ مزار میر ملہمؒ

[2]، [3] Chronicles of the Pathan Kings of Delhi, E. Thomas PP. 211, 215

[4] " " " " P. 249, 250

دیوگیر کے سلسلہ میں جو عام مخالفت پیدا ہوگئی تھی اس کو شاید سلطان ان مذہبی فرائض کی یاد دہانی کر کر ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس زمانہ کے بعض سکوں پر یہ عبارتیں لکھی ہوئی ہیں۔

"اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" [۵۱]

"لولا السلطان کل الناس بعضہم بعضا تغلق" [۵۲]

لیکن اس دور کے کسی سکہ پر خلیفہ کا نام نہیں ملتا۔

دوسرے دور میں جو سنہ ۷۴۱ء سے شروع ہوتا ہے، سلطان کے خیالات میں بڑی زبردست تبدیلی ہوگئی تھی۔ اس زمانہ کے اکثر سکوں پر صرف خلیفہ کا نام ملتا ہے۔ سلطان کا کہیں ذکر نہیں [۵۳]

سلطان کے خیالات میں تبدیلی کی وجہ کیا تھی؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب سلطان کو ہر چہار طرف سے ناکامی نے گھیر لیا۔ جب مسلمانوں کے مذہبی حلقوں میں بغاوت کے آثار نظر آنے لگے، جب قاضیوں نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، جب عوام اس سے برگشتہ ہوگئے اور اس کی ہر نئی اسکیم کی زیادہ سے زیادہ مخالفت ہوئی، اور وہ کسی طرح سے حالات پر قابو نہ پا سکا، تو اس نے خلیفہ سے اپنی حکومت کی اجازت کی درخواست کی۔ تاکہ اس طرح مذہبی حلقہ کی مخالفت کا خاتمہ ہوجائے۔ ممکن ہے کہ اذنِ خلافت کو وہ سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے جس طرح خلیفہ سے برتاؤ کیا اس سے خلوص اور عقیدت ٹپکتی تھی۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے صحیح لکھا ہے کہ اس کا اعتقاد اور طرزِ عمل تمام سلاطین اسلام میں بے مثال ہے[۵۴]۔ سب جانتے ہیں کہ مستعصم باللہ کے عہد میں تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی خلافت عباسیہ کا پیراہن تار تار ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مصر میں خلافتِ عباسیہ نے از سرِ نو زندگی حاصل کی۔ آمد و رفت کے ذرائع آسان نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں کئی سال خلافت بغداد کی تباہی کے بعد یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مسلمانانِ عالم نے

---

۵۱ و ۵۲ . . . Chronicles P. 250. ۵۳ ایضاً ص ۲۵۹ و ۲۶۰۔

۵۴ "خلافت اور ہندوستان" از مولانا سید سلیمان ندوی صاحب ص ۱۵ (مطبع معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۳۴۰ھ)

خلافت کا دوبارہ کیا نظام قائم کیا مسافروں اور تاجروں سے اس کے متعلق معلومات ہوتی رہی برنی لکھتا ہے

"درخاطر افتاد کہ سلطنت و امارت سلاطین بے امر دادن خلیفہ کہ از آل عباس بود درست نیست۔ وہر بادشاہی کہ بے منشور خلفائے عباسی بادشاہی کردہ است۔ یا بادشاہی کند متغلب بودہ است۔ ومتغلب بود۔ واز خلفائے عباسی سلطان بسیار تفتیع می کرد تا از بسیار مسافران شنید کہ خلیفہ از آلِ عباس در مصر بر خلافت متمکن است وسلطان بہ اعوان و انصار دولت خود بہ آں خلیفہ کہ در مصر است بیعت کرد و درکدو داری عرض داشت من جانب خلیفہ سواری کرد واز ہر بابت چیزہا در آں می نوشت و چوں در شہر آمد نماز جمعہ و نماز اعیاد را در توقف داشت واز سکہ نام خود در کنانید و فرمود تا در سکہ نام ولقب خلیفہ تو لیسند و در اعتقاد خلافت آل عباس مبالغتہا کرد کہ در تحریر و تقریر نتواں گنجانید" [1]

۷۴۴ھ المطابق ۱۳۴۳ء میں جب حاجی سعید صرصری کی سرکردگی میں مصر کے دربارِ خلافت سے خلعت اور فرمان آیا تو سلطان نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا۔[2] بدر چاچ نے ایک قصیدے میں لکھا ہے:-

باستقبال فرمانے کہ از پیش امام آمد	برہنہ پا و سر کردہ چوں ایماں شد زا سلامش
خلائق پیش و پس پویاں، ملائک ذکرِ حق گویاں	زجزع شہ شدہ غلطاں گہر بر نقرۂ خامش
گہ از شکر و ثنائے حق شکر می ریخت یا قوتش	گہے بر لعل می بارید مروارید بادامش
چو شہ پوشید خلعت را بہ رنگ مردمِ دیدہ	میان روز می دیدیم شب را با مہ تامش
ز آئینہا کہ شد بستہ ندیدیم یکسر موئے	سر ہر قبہ را فرقے ز ہفتم طاق و نہ بامش
امیر المومنیں فرمود تا ہر جمعہ بر منبر	بہ ہفت اقلیم می خوانند شاہنشاہ اسلامش[3]

[1] تاریخ فیروز شاہی، از برنی۔ ص ۴۹۲ و ۴۹۱ [2] ایضاً ص ۴۹۵۔ برنی لکھتا ہے "بہ چنداں جلالت و عظمت کہ او داشت در پیش آرندگان منشور خلیفہ تواضع ہا می کرد کہ ہیچ کمینہ غلامے در پیش ملک و مخدوم خود نہ کند"

[3] قصائد بدر چاچ۔ از بدر چاچ (مطبوعہ نول کشور کانپور ۱۸۷۳ء) ص ۱۲

ایک دوسرے قصیدہ کے شعر ہیں۔

جبرئیل از طاق گردوں البشر گویاں رسید | کز خلیفہ سوئے سلطاں خلعت و فرماں رسید
ملک را بازو قوی شد، دیں سرفرازی نمود | شرع را حرمت فزوں، رونق ایماں رسید
درد اسلامی کہ در سر داشت شاہنشاہِ عصر | از ولی المسلمیں ایں درد را درماں رسید[1]

خلیفہ سے عقیدت اور محبت کا اندازہ برنی کے اس بیان سے ہوتا ہے۔ لکھا ہے۔

"علماء و عقلاء بیک دیگر بر سبیل تعجب می گفتند کہ سلطان محمد را در حق خلیفۂ عصر تا حد محبت است کہ از نام او زندہ می شود"[2]

ابن بطوطہ نے سلطان محمد بن تغلق کا خلیفہ زادہ غیاث الدین سے عقیدت کا واقع مفصل لکھا ہے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے سلسلہ کا ایک عباسی خلیفہ زادہ غیاث الدین کسی سبب سے ترکستان چلا آیا اور وہاں حضرت قثم بن عباسؓ کے مزار پر سالہا سال مجاور رہا۔ جب سلطان محمد کی خاندانِ عباسیہ سے عقیدت کا آوازہ پھیلا تو غیاث الدین نے ترکستان سے اپنے دو سفیر سلطان کے پاس بھیجے بغداد کے جو لوگ ہندوستان میں مقیم تھے انھوں نے خلیفہ زادہ کی صحیح النسبی کی شہادت دی۔ سلطان نے عریضہ بھیجا اور بڑی منت سے خلیفہ زادہ کو ہندوستان بلایا۔ جب وہ ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوا تو امراء کو استقبال کے لئے بھیجا۔ جب سرستی تک سواری پہنچی تو قاضی القضاۃ صدر جہاں کمال الدین غزنوی اور دوسرے علماء استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ جب دہلی سے باہر مسعود آباد میں پہنچا اور سلطان نے خود پیادہ پا ہو کر خلیفہ زادہ کی رکاب تھامی۔ بڑے تزک و احتشام سے یہ سواری دہلی پہنچی۔ غیاث الدین کو شاہی مہمان رکھا گیا۔ مخدوم زادہ خطاب ہوا۔ دربار میں وہ آتا تو سلطان خود اٹھکر تعظیم کرتا۔ ایک مرتبہ سلطان کی کوئی بات غیاث الدین کو ناگوار ہوئی۔ تو سلطان نے اس انداز میں معافی مانگی "مخدوم زادہ! مجھے اپنی برأت کا اس وقت تک یقین نہ آئے گا جب تک یہ پائے مبارک

---

[1] قصائد بدر چاچ - ص ۱۵- (مطبوعہ کانپور ۱۸۷۳ء)
[2] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۴۹۲-

میری گردن پر نہ ہو۔" خلیفہ زادہ نے کہا " مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا تو سلطان نے خود اپنا سر زمین میں ڈال کر اس کا قدم اپنی گردن پر رکھا۔ ابن بطوطہ یہ واقع لکھکر کہتا ہے کہ "یہ ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے جو کسی بادشاہ کے متعلق سننے میں نہیں آیا" ۵۱

ہندوؤں سے برتاؤ | جب کسی سلطان کے مذہبی جذبات ورجحانات کا ذکر کیا جاتا ہے تو معاً لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں غیر مسلموں پر ضرور ظلم وستم روا رکھا گیا ہوگا حالانکہ یہ خیال تاریخی شواہد کے بالکل خلاف ہے۔ صحیح مذہبی جذبات، کبھی انصاف اور رواداری میں حائل نہیں ہوئے۔ چنانچہ محمد بن تغلق نے ہندوؤں کے ساتھ میل جول، انصاف ورواداری کی وہ مثال قائم کی ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ جن مورخوں نے اس کی مطلق العنانی، استبداد اور خوں ریزی کی داستانیں نہایت بلند آہنگی سے مشہور کی ہیں انھوں نے سلطان کو کبھی ایک ہندو کے استغاثہ پر مجرم کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں کھڑے ہوئے نہیں دیکھا۔ عدل گستری اور انصاف پروری کی ایسی مثال تاریخ کے صفحات میں تلاش سے بھی نہیں ملے گی۔

صرف یہ ہی نہیں بلکہ سلطان نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے دیئے جہاں بھی اسے جوہر نظر آیا اس نے بلا امتیاز مذہب وملت اس کی قدر کی۔ رتن کا واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ کس طرح ایک امیر کی سفارش پر دربار سلطانی میں باریاب ہوا۔ سلطان نے جب اس کی اہلیت اور صلاحیت کا اندازہ کر لیا تو اس کو سندھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور علم اور نوبت رکھنے کی اجازت جو بقول ابن بطوطہ صرف بڑے بڑے امیروں کو دی جاتی تھی اس کو بھی دی۔ ۵۲

اس کو ہندوؤں پر اس قدر اعتماد اور بھروسہ تھا کہ بڑے بڑے قلعے ان کی سپردگی میں دیئے فرشتہ نے بتایا ہے کہ بھرن رائے جو قلعہ گلبرگہ کو بھیجدیا گیا تھا سلطان کے نہایت معتبر حکام

---

۵۱ عجائب الاسفار۔ از ابن بطوطہ ص ۱۲۸ - ۱۲۵ - ۵۲ ایضاً ص ۱۳۸ و ۱۳۷

۵۳ " " " ص ۱۰

میں سے تھا[۱]۔ دھارادھر کو دیوگیر کا نائب وزیر[۲] اور دیوان اسلوب[۳] مقرر کیا۔

جہاں تک عام ہندوؤں کا تعلق تھا۔ برنی نے "فتاوی جہانداری" میں ان کی حالت لکھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرتے تھے دارالسلطنت دہلی میں "رائے" "ٹھاکر" "ساہو" "مہنت" "پنڈت" کے معزز القاب سے مخاطب کئے جاتے تھے مذہبی کتابیں اور سنسکرت پڑھنے کی پوری پوری آزادی تھی[۴]۔ آثار قدیمہ کے کچھ کتبوں سے بھی ہندوؤں کی آسودہ حالی اور فارغ البالی کا پتہ چلتا ہے۔ سنہ ۱۳۸۴ وکرمی مطابق سنہ ۱۳۲۷ء کا ایک سنسکرت کتبہ ملا ہے جو سریدھارا نامی برہمن نے دہلی کے قریب ایک کنوئیں پر کندہ کرایا تھا اس میں سلطانِ وقت محمد بن تغلق کی بڑی تعریف کی گئی ہے[۵]۔

ودیاپتی ٹھاکر کی[۶] مشہور کتاب "پرس پرشکا" میں جو چودہویں صدی کے آخر میں لکھی گئی ہے سلطان کے ہندوؤں سے اچھے برتاؤ کا ثبوت ملتا ہے[۷]۔ ابن بطوطہ نے بتایا ہے کہ سلطان جوگیوں کی بہت تعظیم کرتا تھا اور ان کو اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔[۸]

---

۱ تاریخ فرشتہ۔ از قاسم فرشتہ۔ ۲ برنی۔ ۳ حج الدبیر ج ۳ ص ۸۷۴

۴ فتاوی جہانداری۔ از ضیاء الدین برنی۔ (انڈیا آفس ۲۵۶۳)
بحوالہ ڈاکٹر آغا مہدی حسین XIV و XIII P.

۵ Catalogne of the Delhi Museum of Archaeology, Compiled by J. P. Vogel (Calcutta Baptiot Mission Press 1908) P. 29.

۶ ودیاپتی ٹھاکر۔ بہار کا ایک مشہور شاعر تھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۳۸۵ء میں دیوا سمہا کے عہد میں تصنیف ہوئی تھی۔
Indian Antiquary XIV July 1885 – "Vidyapatti & his Contemporaries" by Grierson.

۷ Vidayapati Thakkur: Purusa Pariksa. (Allahabad. 1912) PP. 20-24, 41-44.

۸ عجائب الاسفار۔ ابن بطوطہ ص ۲۶۶۔